رجسٹرڈ نمبر آصفیہ (۱۸۰)

شرح چندہ
سالانہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
ششماہی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

قیمت فی پرچہ (۲ر)

ہفتہ وار مملکت

ایڈیٹر۔ میر حسن الدین

رجسٹرڈ نمبر آصفیہ (۱۸۰)

شرح چندہ
سالانہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
ششماہی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

قیمت پرانا پرچہ (۴ر)

جلد (۹) | ۲۰ ردے سنہ ۱۳۵۹ف | ۲۸ محرم سنہ ۱۳۶۹ھ روز یکشنبہ | ۲۰ نومبر سنہ ۱۹۴۹ء | نمبر (۳۲)

اُردو زبان کا اخراج

ایک المناک حادثہ

دیوناگری رسم خط کے ساتھ ہندی کو سرکاری زبان بنانے کے بعد ملکی زبان کی بحث ختم ہوگئی۔ مگر اُردو کی برقراری ترویج اور ترقی کا مسئلہ جوں کا توں اپنی جگہ پر قائم ہے۔ ملکی زبان کے دائرہ سے اُردو کا اخراج ایک المناک حادثہ ہے جسے نہ بھلایا جاسکتا ہے اور نہ اُردو کی زندگی کی طرف سے کسی خوش فہمی میں مبتلا ہوا جاسکتا ہے۔ گاہے ماہے اُردو کے بارے میں جو تذکرے قلم سے نکل کر اخباروں میں آتے ہیں ان میں اُردو کے حامیوں کی جانب سے کوئی جاں بخش اور عملی تجویز نہیں پیش کی جاتی۔ بس ایک کہانی ہوتی ہے بھولی بسری جو کا فی دہرا جاتی ہے۔ اُردو کے حامیوں اور بہی خواہوں کو اُردو کی اہمیت کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ ہندوستان کی اصطلاح کو زبان کا مسئلہ طے کرتے وقت کانگریس نے اپنے قدیم موقف سے نکال دیا بعض اس لئے کہ اسے اختیار کئے رہنے میں اُردو بھی سرکاری زبان کے دائرے میں آجاتی تھی اور اُردو ہندوستانیت دونوں کے نزدیک وہ زبان قرار دی گئی تھی جسے مسلمانوں کے سوا اور کسی سے نسبت ہی نہ تھی یعنی اُردو کے خلاف موت کا پروانہ اس لئے صادر ہوا کہ وہ ایک مذہبی فرقے مسلمانوں کی زبان ہے۔

اُردو اس ملک میں ہمیشہ مشترکہ زبان تسلیم کی گئی۔ مسلمانوں نے اسے اپنی زبان کا درجہ اور اس سے خصوصیت اس لئے ظاہر کی کہ دوسروں کی طرح وہ ان کی بھی زبان ہے۔ یہ کوئی بری بات نہ تھی نہ کوئی گناہ تھا۔ ہندوستان کے متعلق آج ہر شخص خواہ وہ کسی مذہب کا بھی ہو اپنا ملک ہونے کا دعویٰ کرے تو اس میں کیا برائی پیدا ہوتی ہے لیکن مسلمانوں کی اُردو سے محبت ایک گناہ ٹھیری اور اس بناپر اسے سرکاری زبان کے دائرے سے آئینی طور پر خارج کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اُردو کے خلاف جن جذبات کے تحت فیصلہ ہوا ان کا تقاضہ ہے کہ اب مسلمان اسے اپنی زبان کہتے ہے نہ جھجکیں علی الاعلان کہیں کہ وہ ان کی زبان ہے اور سرکاری حیثیت دلانے سے باز نہ رہیں۔

اُردو کے سلسلہ میں وقتاً فوقتاً ظاہر کئے ہوئے خیالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ لکھنے والوں نے دستوری اسمبلی کے غلط فیصلے کے سامنے سپر رکھ دی ہے ان کے حوصلے پست ہوگئے ہیں اور وہ جد وجہد اور کوششوں کے نتائج سے مایوس ہوگئے ہیں۔ آزاد ہندوستان کے مسلمان مفکروں اور مدبروں میں اتنی کم ہمتی اور اتنی بے حوصلگی باعث صد حیف ہے۔ خدا جانے یہ لیڈر، اہل علم وفضل، ادیب، مفکر اور مدبر اپنی آئندہ نسلوں کے لئے آزادی کا کونسا تحفہ چھوڑ جائیں گے۔ ہندو تو اپنی صلحت پالیسی اپنے دیرینہ موقف اور قول قرار کو چھوڑ کے میں

بھوڑ کر ہندی کے حق میں فیصلہ کردیں اور مسلمان اُردو کے مستقبل کو فنا کا درجہ دلاکر مطمئن ہوجائیں کیا اپنی زبان کو باقی رکھنے اسے سرکاری حیثیت دلانے اور اس کی ترویج و ترقی کی ضمانت حکومت سے طلب کرنا بھی غیر وفاداری اور بغاوت ہے؟ عافیت کوش مصلحت شناس، اور زمانہ ساز اُردو کے حامیوں کو اتنا پست ہمت نہ ہونا چاہئے۔ آپ سن رہے ہوں گے اخبارات میں پڑھ رہے ہوں گے کہ جابجا ہندی کے فیصلہ کے خلاف محاذ قائم ہے۔ مسلمانوں کو ہندی کے فیصلہ کے خلاف کوئی محاذ قائم کرنا نہیں ہے بلکہ انھیں تو اُردو کو اس کی واجبی حیثیت دلانا ہے۔ جو ایک فرقہ کی اکثریت نے اسے زبردستی اور دھاندلی سے نہیں دی ہے اور یہ کوئی جرم نہیں ہے۔ یہ بغاوت نہیں ہے۔ یہ خلاف قانون نہیں ہے۔ حکومت کی ناراضی اور اکثریت کی ناراضی جس سے اس زمانہ کے مسلمان لیڈروں کے دل کانپ جاتے ہیں اس وقت پیدا ہوسکتی ہے جبکہ ہندی کو سرکاری درجہ دیے جانے سے اختلاف کیا جائے۔ یہاں اس کا سوال ہی نہیں ہے بلکہ سوال یہ ہے کہ اُردو کو ایک مذہبی فرقہ مسلمان کی حیثیت دے کر جو سرکاری حلقوں سے خارج کیا گیا ہے اور اس کی تعلیم و ترویج کا جاریہ سلسلہ جو احکام کے ذریعہ جابجا ختم کیا گیا ہے اسے بحال کیا جائے یعنے اُردو کو مسلم اقلیت کی زبان کی حیثیت سے اس ملک میں باقی رکھنے کی ذمہ داری حکومت اپنے سر لے کیونکہ یہ ذمہ داری اس پر پوری طرح عائد ہے مسلمانوں کی طرف سے۔ یہ خواہش اگر منضبط اور منظم طریقے سے بالکل آئینی حدود کے اندر اور شائستگی کے ساتھ تو یقیناً مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتوں کو اسے مان لینے میں کوئی دریغ نہ ہوگا۔

(ہماری آواز)

۷۸۶
۹۲

مملکت

۲۰ ردے سنہ ۱۳۵۹ ف

شذرات

افلاس کا علاج :-

گذشتہ ہفتہ کل ہند انجمن صناعان کی خصوصی میقات کا اجلاس جامعہ عثمانیہ کے اوڈیٹوریم ہال میں منعقد ہوا جس کا افتتاح میجر جنرل چودھری نے فرمایا۔ اس اجلاس کی صدارت سر وشویشورایا نے فرمائی۔ موصوف ہندوستان میں ایک ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ آپ نہ صرف معاشیات کے ماہر ہیں بلکہ ایک سائنس داں انجینیر اور نظم و نسق کے بھی ماہر ہیں۔ ہندوستانی عوام کی غربت اور افلاس سے آپ بہت متاثر ہیں اور یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس مرض کا علاج صنعتی ترقی ہے۔

اپنے خطبۂ صدارت میں سر وشویشورایا نے بتایا ہے کہ یہ ایک مسلمہ خیال ہے اور ملک کے مفکرین نے تسلیم کیا ہے کہ ہمارے بڑھتے ہوئے افلاس کا علاج یہ ہے کہ ملک کو صنعتی بنایا جائے اور منظم معیشت کو روبہ عمل لایا جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس طرح کی جد و جہد ضروری ہے جیسا کہ اغراض جنگ کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ موصوف کا منشا یہ ہے کہ جس طرح دوران جنگ میں پوری قوم مصروف عمل ہوجاتی ہے اسی طرح افلاس کا مقابلہ کرنے کی خاطر صنعتی ترقی کے لئے پوری قوم کو مصروف ہوجانا چاہئیے۔ موصوف نے فرمایا کہ کل ہند انجمن صناعان نے ملک کو صنعتی بنانے کے لئے ایک اسکیم دو حصوں میں پیش کی ہے۔ اگر یہ اسکیم روبہ عمل لائی جائے تو دس سال کے عرصہ میں قومی آمدنی ۲½ گنا زیادہ ہوجائے گی۔ اس اسکیم کو کامیاب بنانے کے لئے حکومت اور صناعان کو اپنا نقطۂ نظر بدل دینا پڑے گا۔ سر وشویشورایا منظم معیشت کے قائل ہیں آپ کی رائے ہے کہ ایک پنج سالہ یا دہ سالہ صنعتی منصوبہ تیار کرنا چاہئیے لیکن اب تک ایسا کوئی منصوبہ تیار نہیں کیا گیا۔

ہماری صنعتوں سے متعلق سر وشویشورایا کا خیال ہے کہ ان صنعتوں کی ترقی کے لئے سرمایہ کی قلت ہے سرمایہ حاصل کرنے کے لئے صاحب ثروت اور سرمایہ دار طبقوں کو ترغیب دینی ہوگی کہ وہ اپنا سرمایہ صنعتوں میں لگائیں یا دوسری صورت یہ ہے کہ امریکہ سے اسی طرح سرمایہ حاصل کیا جائے جس طرح انگلستان اور جرمنی جنگ سے پہلے حاصل کر رہے تھے یا اب انگلستان حاصل کر رہا ہے۔ سر وشویشورایا نے اس امر کی جانب توجہ مبذول کرائی ہے کہ موٹروں اور سیکلوں کی خریدی میں ہندوستان کا کافی سرمایہ باہر چلا جاتا ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ حکومت کی امداد سے موٹروں اور سیکلوں کی صنعت کی حوصلہ افزائی کی جائے اور ہندوستانی سرمایہ کو باہر جانے سے روکا جائے۔ موصوف کی یہ سوچی ہوئی رائے ہے کہ موجودہ حالات میں صنعتوں کو قومی ملکیت قرار دینا مناسب نہیں۔ آپ کا یہ مشورہ ہے کہ اس مسئلہ کو فی الحال ملتوی کر دینا چاہئیے۔ صنعتی ترقی، فنی اشخاص کی تربیت، سرمایہ کی فراہمی اور معاشی وسائل کے صحیح استعمال سے متعلق سر وشویشورایا نے جو ماہرانہ مشورے دئے ہیں ان سے حکومت اور صناعوں کو استفادہ کرنا چاہئیے۔

وسعت نظر کی ضرورت

چند روز قبل اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ مجلس اتحاد المسلمین کے ان لیڈروں کی رہائی کا مسئلہ حکومت کے زیر غور ہے جو اس وقت نظر بند ہیں۔ معلوم نہیں یہ خبر کس حد تک صحیح ہے۔ رضاکاروں اور لیڈروں کی رہائی سے متعلق ہم نے اور دیگر معاصرین نے یہ مشورہ دیا تھا کہ جو رضاکار تعزیری جرائم کے مرتکب ہوں ان کے خلاف مقدمہ چلایا جائے اور جو کسی تعزیری جرم کے مرتکب نہ ہوں انھیں محض رضاکار ہونے کی وجہ سے قید و بند میں نہ رکھا جائے بلکہ ان کی فوری رہائی عمل میں آئے۔ ظاہر ہے کہ پولیس ایکشن کے بعد رضاکاروں کی گرفتاری اس لئے عمل میں آئی تھی کہ ملک میں امن و امان قائم کیا جائے اور صورت حال بگڑنے نہ پائے۔ یہ ایک احتیاطی تدبیر تھی جو حکومت وقت نے اختیار کی تھی۔ اب جبکہ امن قائم ہو چکا ہے ایسے افراد کو نظر بند رکھنا جو کسی تعزیری جرم کے مرتکب نہ ہوئے ہوں مناسب نہیں ہے۔ اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے معاصر "مشیر دکن" نے اپنی ۱۸ ردے کی اشاعت میں تحریر کیا ہے کہ :-

> ہم یہ رائے ظاہر کرنا اپنا فرض تصور کرتے ہیں کہ بہ حالات موجودہ ان مشہور و معروف رضاکار لیڈروں کی رہائی مناسب نہیں ہے۔ دوسرے رضاکاروں کی نسبت رائے قائم کرنے میں حکومت کو غالباً آسانی تھی نظر بند شدہ کئی رضاکار ایسے رہے ہوں گے جن کی نسبت کسی خاص جرم کے ارتکاب کا کافی مواد نہ ہو مگر رضاکار لیڈروں کا مسئلہ اتنا آسان نہیں ہے۔ ان کو بے قصور سمجھ کر فوراً رہا کرنا نہ صرف یہ کہ قرین انصاف نہیں ہے بلکہ اس سے یہ اندیشہ بیجا نہیں ہے کہ ملک کا امن متاثر ہو یا عوام میں نئی بے چینی کا آغاز ہو جائے ...... حالات ملک کے مد نظر پبلک حکومت سے عرض کرے گی کہ مشہور و معروف رضاکاروں کو رہا کرنے میں جلدی نہ فرمائی جائے۔ اگر مواد کافی موجود ہو تو ان کے خلاف مقدمات چلائے جائیں اور اگر نہیں ہے تو خدا کے واسطے کوئی ایسا اقدام نہ فرمایا جائے جس سے اس وقت کی صورت حال بدتر یا مزید بے چینی میں مبدل ہو جائے۔

معاصر موصوف نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان پر ہم اظہار تعجب کئے بغیر نہیں رہ سکتے اگر ان افراد کی رہائی سے امن عامہ میں خلل پیدا ہونے کا اندیشہ ہے تو ہم ان کی رہائی کی تائید کرنے تیار نہیں۔ مگر ہم جانتے ہیں اور معاصر موصوف بھی جانتا ہے کہ سینکڑوں "مشہور و معروف" رضاکار رہا کر دئے گئے اور کوئی بد امنی ملک میں پیدا نہیں ہوئی پھر ان مٹھی بھر افراد کی رہائی سے کیا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے؟ اس کے علاوہ ان افراد نے جیل سے ایک بیان بھی جاری کیا تھا جو اخبارات میں شائع ہو چکا ہے اور جس میں انہوں نے یقین دلایا تھا کہ ملک کے بدلے ہوئے حالات میں وہ فرقہ واری سرگرمیوں سے

تنظیم کے حامی نہیں ہیں۔ اس بیان کے بعد توقع تھی کہ معاصر موصوف اس مسئلہ پر ہمدردانہ اسپرٹ میں غور کرے گا اور ماضی کو بھول جائے گا۔ ہمیں افسوس ہے کہ معاصر موصوف اس کے لئے تیار نہیں۔ ہم گزارش کریں گے کہ جب ملک میں امن قائم ہو چکا ہے ——— جیسا کہ کل ہند انجمن صناعان کے اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے میجر جنرل چودھری نے فرمایا یہاں حالات ٹھیک ہو چکے ہیں اور تعمیری کام شروع ہو چکا ہے ——— تو یہ مسئلہ اس قابل ہے کہ اس پر دوست نظر سے غور کیا جائے۔ حکومت وقت نے احتیاطی تدبیر کے طور پر ان افراد کو گرفتار کیا تھا اب جبکہ یہ ضرورت باقی نہیں رہی ان کو مسلسل نظر بند رکھنا نامناسب اور بے مقصد معلوم ہوتا ہے۔

جائداد تخلیہ کنندگان

ہم نے چند ہفتے قبل یہ عرض کیا تھا کہ ہندوستانی علاقہ کے ان مسلمانوں کی جائدادیں ضبط کی جائیں جنھوں نے پاکستان جا کر وہاں کے ہندو تخلیہ کنندگان کی جائیدادوں پر قبضہ جما لیا ہے اور ان جائیدادوں سے استفادہ کر رہے ہیں۔ ہم نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ ہندوستانی ہائی کمشنر مقیم پاکستان کے ذریعہ ان مسلمانوں کی فہرست طلب کی جائے جو پاکستان میں وہاں کے ہندو تخلیہ کنندوں کی جائدادوں سے استفادہ کر رہے ہیں اور اس فہرست کے وصول ہونے پر ان مسلمانوں کی مقامی جائیدادیں ضبط کر لی جائیں۔ اس اثناء میں اخباری اطلاعات سے یہ معلوم ہوا کہ ہندوستان میں قانون جائیداد تخلیہ کنندگان میں ایسی ترمیم کی گئی ہے جو متذکرہ بالا اصول پر مبنی ہے اور عام طور پر اس ترمیم کو پسند کیا جا رہا ہے۔ اس ترمیم کے ساتھ ہندوستان کا یہ قانون سارے ہندوستان اور ریاستوں میں نافذ ہے۔ مگر حیدرآباد کی حد تک اب تک ایسی کوئی ترمیم نہیں ہوئی۔ عام طور پر محسوس کیا جا رہا ہے کہ حیدرآباد میں جائیداد تخلیہ کنندگان کے متعلق جو قانون نافذ ہے وہ بہت سخت ہے اور دوسری طرف اس قانون کو اس طرح روبہ عمل لایا جا رہا ہے جو اقلیتی فرقہ کے لئے پریشانی کا باعث ہے۔ ہم نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ مسلمانوں کو یہ اندیشہ لاحق ہے کہ لاعلمی یا غلط رپورٹ کی بنا پر کہیں ایسی جائیدادیں بھی اس قانون کی زد میں نہ آ جائیں جو اصولاً اور انصافاً اس کی زد سے باہر ہیں۔ یہ اندیشہ غلط نہیں نکلا چنانچہ گزشتہ ہفتہ جائداد تخلیہ کنندگان کی جو فہرست شائع ہوئی ہے اس میں ایک ایسے صاحب کا بھی نام درج ہے جو حیدرآباد میں موجود ہیں اور کانگریسی کارکن کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں اور جو حیدرآباد سے جانے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ اس قسم کی بدعنوانی اور غلط رپورٹ کی بنا پر جائیدادوں کی ضبطی سے اقلیتی فرقہ کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ حکومت اس مسئلہ پر عاجلانہ توجہ مبذول کرے گی اور اس قانون میں اسی طرح ترمیم کرے گی جس طرح کہ ہندوستان کے قانون میں عمل میں آئی ہے اور اس قانون کے نفاذ میں بہت احتیاط سے کام لیا جائے گا۔

حیدرآباد کے نئے سیول گورنر

نئی دہلی ۱۲ر نومبر۔ رضاکار دہشت پسندی کے خطرہ کو ختم کرنے کے لئے حیدرآباد میں جو پولیس ایکشن کیا گیا تھا اس کے پندرہ ماہ بعد فوجی گورنری کی حکومت (جسے جی او سی جنوبی کمان کے حکم کے تحت مقرر کیا گیا تھا) وسط دسمبر میں ختم ہو جائے گی۔ ریاستی وزارت حکومت ہند کے معتمد مسٹر ایم کے ویلوڈی فوجی گورنر میجر جنرل جے این چودھری کے جانشین ہوں گے۔ آیا مسٹر ویلوڈی کی حیثیت حیدرآباد کے گورنر کی ہوگی یا منتظم کی یہ مسئلہ ابھی وضاحت طلب ہے اور اس کا فیصلہ ریاستی وزارت کرے گی۔ جبل

ایک اعلیٰ فوجی عہدہ دار سے ایک تجربہ کار ہوٹلین میں تبدیلی بدلے ہوئے حالات کے تحت ریاست کے نظم و نسق میں ایک تغیر کو ظاہر کرتی ہے۔ وزارت مذکور کے ایک ذریعے نے یہ بتلایا ہے کہ کمیونسٹ تشدد کے امکانی طور پر ابھرنے کو روکنے والی تدابیر برقرار رہیں گی۔ سیولین گورنر کو جہاں تک کہ ریاست کے قیام امن و تحفظ کا تعلق ہے بہت زیادہ اختیارات حاصل رہیں گے اور اس خصوص میں اگر ضرورت ہو تو گورنر موصوف حضور نظام کے اختیارات خصوصی کو بھی نظر انداز کر سکتے ہیں۔

مسٹر ویلوڈی کی عمر (۵۳) سال ہے وہ ۱۹۲۱ء میں انڈین سیول سروس میں شریک ہوئے تھے۔ انھوں نے صوبہ مدراس میں بھی ۱۹۳۱ء تک خدمات انجام دی ہیں جب کہ انھیں صوبائی حکومت کے چیف سکریٹری کی حیثیت سے اڑیسہ بھیجا گیا تھا۔ ۱۹۳۲ء میں انھیں مرکزی حکومت کی وزارت تجارت میں کنٹرولر برآمدات کی حیثیت سے طلب کیا گیا تھا۔ ۱۹۴۴ء میں وہ حکومت ہند کے کمشنر پارچہ مقرر ہوئے تھے۔ ۱۹۴۶ء کے ختم پر وہ نائب ہائی کمشنر کی حیثیت سے لندن گئے تھے اور اپریل ۱۹۴۸ء میں ہائی کمشنر بھی بن گئے تھے۔ ستمبر میں انھوں نے ہندوستانی وفد کے معتمد عمومی کی حیثیت سے اقوام متحدہ کی اسمبلی میں شرکت کی تھی۔ اور جنوری ۱۹۴۸ء میں سر گوپال سوامی آئنگار کے ساتھ صیانتی کونسل میں گئے تھے۔ لیک سکیس سے واپس ہونے کے بعد انھوں نے اقوام متحدہ کے کشمیر کمیشن کی آمد کے سلسلہ میں وزارت امور خارجہ میں کام کیا اس کے بعد کچھ عرصہ کے لئے انھیں مرکز میں نظم و نسق کی از سر نو تنظیم کا کام سونپا گیا۔ اکٹوبر ۱۹۴۸ء میں انھیں ریاستی وزارت کا معتمد مقرر کیا گیا۔

اطالوی فوج میں بغاوت

روم ۱۵ر نومبر کل روم میں اطالوی محکمہ سراغ رسانی کے اعلیٰ عہدیداروں نے اس امر کا انکشاف کیا کہ اطالوی افواج میں مسلح بغاوت پھیلانے کے روسی جاسوسوں کے منصوبے ہیں اس وقت ناکام کر دئے گئے جب کہ روسی جاسوس ان اطالوی سپاہیوں اور عہدیداروں سے جو بغاوت پر آمادہ ہو گئے تھے حلف وفاداری لینے میں مصروف تھے۔ انہی عہدیداروں کا بیان ہے کہ اگر اطالوی محکمہ سراغ رسانی بروقت اپنی سرگرمی نہ دکھلاتا تو یقیناً اطالیہ کو ہفت عشرہ میں ایک خوفناک بغاوت سے دوچار ہونا پڑتا۔ اس سلسلہ میں ۱۲ اطالوی عہدیداروں اور سپاہیوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

بلا تنقید:۔

جاگیرات کے انضمام نے صرفخاص، پائیگاہوں، ہستانوں اور جاگیروں کے اکثر ملازمین کو بیکار کر دیا ہے جو کل تک ان اداروں کے مختلف انتظامی محکموں میں کارگزار تھے۔ ان نچلے متوسط طبقہ کے لوگوں نے جنتاراج کے خواب دیکھے تھے لیکن جب جنتاراج آیا تو ان کے گھر اجڑنے لگے اور افلاس و فاقہ کے خوفناک بھوت ان کے سروں پر منڈلانے لگے۔

(پیام)

یونائیٹڈ پریس کی اطلاع ہے کہ:۔

کولمبیا میں صدارتی انتخابات کے سلسلہ میں فسادات پھوٹ پڑے۔ پانچ سو ہلاک اور ان گنت مجروح ہوئے۔ کولمبیا کے پادری موجودہ سیاسی جدوجہد میں حصہ نہیں لے رہے ہیں۔

اگر اس خبر پر معاصر "شعیب" تبصرہ کرتا تو یہ لکھتا کہ کولمبیا کے پادری حیدرآباد کے مسلمانوں کی طرح "گھوڑے، بھینس، بیل ہیں جو سیاسیات میں حصہ نہیں لے رہے ہیں۔

معاصر "شعیب" نے اپنی ۱۳ [illegible] کی اشاعت میں تحریر کیا ہے کہ:۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ حیدرآباد کے مسلمان ایک آل حیدرآباد اسٹیٹ مسلم کانفرنس بلا کر دنیا پر اپنا موقف ظاہر کر دیں اور اجتماعی طور پر دنیا کو بتلا دیں کہ ان کے خیالات کیا ہیں۔

حیدرآباد کے مسلمان اب کسی علحدہ سیاسی تنظیم یا کانفرنس کے قائل نہیں رہے۔ معاصر "شعیب" علحدگی پسندی کی مذمت بھی کرتا ہے اور ایک علحدہ پلیٹ فارم قائم کرنے کا مشورہ بھی دیتا ہے۔ شاید وہ کانگریس کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کے خیالات کے اظہار کو پسند نہیں کرتا۔ ایسی کانفرنس طلب کرنے کا کام بھی اگر مولانا انیس الرحمن انجام دیں تو کیا مضائقہ ہے؟ قیادت کے لئے اب میدان صاف ہے۔

اہل تدبیر کی واماندگیاں
آبلہ پر بھی حنا باندھتے ہیں

آگے چل کر معاصر "شعیب" لکھتا ہے کہ:۔

یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ حیدرآباد کے مسلم لیڈر اس قسم کا اعلان نہ کر سکے ______ یعنی اپنا موقف ظاہر نہ کر کے ______ نقصان اٹھا رہے ہیں اور لوگوں میں طرح طرح کے شبہات پیدا ہونے کا موقع دے رہے ہیں۔

شاید معاصر "شعیب" کو خبر نہیں کہ ۱۷ ستمبر ۴۸ء کے بعد مسلمانوں میں کوئی لیڈر نہیں رہا۔ مسلمان لیڈروں کو مخاطب کرنا ہوا سے کشتی لڑنا ہے۔ اور اگر شبہات پیدا ہو رہے ہیں تو وہ مولانا انیس الرحمن کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔

سکوت آموز طول داستان درد ہے ورنہ
زباں بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے

اپنے ایک اداریہ میں معاصر "شعیب" نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ:۔

اس معاشی جنگ میں پاکستان کو اتنا مجبور کرنا محال ہے کہ وہ سکے کی قیمت تبدیل کر دے اور اگر ہندوستان کے ماہرین معاشیات اس قسم کی غلط فہمی میں مبتلا ہیں تو انہیں اس سے باز آجانا چاہئے۔

"قوم پرور" معاصر "شعیب" کے اس اداریہ کو پڑھ کر ہمارے ایک کانگریسی دوست کہنے لگے،

تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا

معاصر "ریاست" نے ایک مراسلہ شائع کیا ہے جس میں مراسلہ نگار نے دریافت کیا ہے:۔

کیا میں ان بہنوں سے پوچھ سکتا ہوں کہ پردہ ہی میں رہ کر آپ کچھ نہیں کر سکتیں؟ ملک اور قوم کی خدمت کیا پردہ سے باہر آکر ہی کی جا سکتی ہے؟

کیا ملک اور قوم پردہ کے اندر ہے جو پردہ میں رہ کر ان کی خدمت کی جائے؟

مجلسی قائدین کی رہائی سے متعلق معاصر "مشیر دکن" نے لکھا ہے کہ:۔

ہم حکومت سے عرض کریں گے مشہور و معروف رضاکار لیڈروں کو رہا کرنے میں جلدی نہ فرمائی جائے۔ اگر مواد کافی ہو تو ان کے خلاف مقدمات چلائے جائیں اگر نہیں ہے تو خدا کے واسطے کوئی ایسا اقدام نہ فرمایا جائے جس سے اس وقت کی صورت حال بدتر یا مزید بے چینی میں مبدل ہو جائے۔

خدا کا واسطہ دینے کے بعد تو معاصر "مشیر دکن" کی تائید ہم اپنا فرض سمجھ رہے تھے لیکن پھر خیال آیا کہ غیر مذہبی مملکت میں خدا کا کوئی مقام نہیں۔

ماڈرن نیوز کے نمائندہ سے مولانا یونس سلیم نے ایک ملاقات میں کہا ـــ چند روز قبل میں نے جبکہ مولانا حفظ الرحمن کے ساتھ فوجی گورنر سے ملاقات کی تو ان کو رضاکار قائدین کی رہائی کی جانب متوجہ کیا تھا اور ملٹری گورنر نے احکام صادر کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

مولانا یونس سلیم کو ہمارا یہ مشورہ ہے کہ وہ مجلسی قائدین کی رہائی کی کوشش کے بجائے جائداد تخلیہ کنندگان کی فہرست سے اپنا نام خارج کرائیں۔

اسلامی تہذیب کا ارتقاء

از

محمد سرور

اپنے ابتدائی دور میں اسلامی تہذیب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس نے زندگی کے باطنی اور خارجی دونوں پہلوؤں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی چنانچہ اس تہذیب کا جو تصور پیش کیا، وہ جامع تھا۔ انسان کی پوری زندگی اور اس کے تمام شعبوں پر اس دنیا کی مادی زندگی پر بھی اور اس مادی زندگی کے ماورا انسان کی جو داخلی زندگی ہے، اس پر بھی یعنی اس کا نصب العین "حسنة فی الدنیا" بھی تھا اور اس کے پیش نظر "حسنة فی الآخرة" بھی تھا۔ اسلامی تہذیب نے "حسنة فی الدنیا" کے حصول کے لئے ایک اجتماعی نظام پیش کیا جس کے دو اساس تھے ایک معاشی اور دوسرا سیاسی۔ اسلامی تہذیب کا معاشی اساس "وفی اموالهم حق للسائل والمحروم" یعنی دولت مندوں کے مال میں غریبوں اور محتاجوں کا حق ہے۔ اور وہ قانوناً مجبور ہیں کہ اپنے بھائیوں کی کفالت کریں۔ اور "وامرهم شوریٰ بینهم" یعنی حکومت افراد کے مشورے سے ہو، یہ تھا اسلامی تہذیب کا سیاسی اساس۔ اب رہا "حسنة فی الآخرة" اس کے لئے اسلامی تہذیب نے انسان کی باطنی زندگی کی صحیح نشو ونما کا بھی پورا پورا انتظام کیا گیا۔ انسان کی باطنی زندگی اس کی نفسی زندگی ہے۔ اور انسانی نفس عبارت ہے اس کے جذبات سے، اس کی عقل اور اس کے عزم و ارادے سے جذبات اصلاح و تزکیہ کے لئے اسلامی تہذیب میں خدا اور اس کی مخلوق سے محبت کرنا ضروری قرار دیا گیا عقل کی ترقی کے لئے تدبر اور تفکر کا حکم دیا گیا اور عزم و ارادے کی تقویت کے لئے ایمان اور اعمال خیر پر زور دیا گیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب میں اس بات کا بھی خیال رکھا گیا کہ باطنی زندگی کے یہ اعمال و اخلاق محض فرد کی ذاتی زندگی تک محدود ہو کر نہ رہ جائیں چنانچہ ورزش اور عبادت جیسی چیز جو بالکل شخصی اور داخلی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اس کا اصلی مقصد فرد اور اس کے خالق کے درمیان تعلق قلبی پیدا کرنا ہوتا ہے، اسلامی تہذیب نے اس کو بھی جماعتی شکل دینے کی کوشش کی۔ اس سے دراصل اس کا مقصود یہ تھا کہ پہلی تہذیبوں کی طرح اسلامی تہذیب میں بھی کہیں مذہب محض شخصی اور باطنی چیز نہ بن جائے۔ اور ایک صالح زندگی کے لئے خارجی اور داخلی زندگی میں جس ہم آہنگی کی ضرورت ہے مسلمانوں کی نظروں سے یہ حقیقت اوجھل نہ ہونے پائے۔

یہ تھا اسلامی تہذیب میں خارجی اور باطنی زندگی میں ہم آہنگی کا وہ نظام جس پر خلافت راشدہ کا قیام عمل میں آیا تھا۔ گو خلافت راشدہ کا زمانہ بہت مختصر رہا، لیکن اس کے بعد بھی اسلامی تہذیب ایک عرصہ دراز تک اپنی اس خصوصیت کو کسی نہ کسی حد تک قائم رکھنے میں کامیاب رہی ہے۔ بے شک اس ضمن میں یہ ضرور ہوا کہ جیسے جیسے زمانہ بدلتا گیا، اور نئے نئے حالات پیش آتے گئے اسلامی تہذیب کی اس خصوصیت کو محفوظ رکھنے کی بھی مختلف صورتیں بروئے کار آتی رہیں۔ مثلاً خلافت راشدہ میں ملی زندگی کا ایک جامع اور ہمہ گیر مرکزی نظام تھا جو مسلمانوں کی زندگی کے معاشی، سیاسی، روحانی، علمی اور اخلاقی تمام شعبوں کا کفیل تھا۔ چنانچہ جو خلیفہ ہوتا، وہ صدر حکومت بھی ہوتا، وہی مقدمات کے فیصلے کرتا، فتویٰ بھی وہی دیتا۔ اخلاق و اعمال کی نگرانی بھی اسی کے ذمہ تھی۔ اور مسجد میں نماز بھی وہی پڑھاتا اور امیر حج بھی وہی بنتا غرضیکہ ملت کی وحدت اپنی مکمل ترین شکل میں خلیفہ کی ذات میں مجسم تھی لیکن یہ صورت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی تھی اور ایسے خلفاء کا برابر ملتے رہنا جو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی طرح جامع صفات ہوں، بڑا مشکل تھا۔

خلافت راشدہ کے بعد اموی دور آیا تو ملی زندگی کی یہ وحدت دو حصوں میں بٹ گئی۔ جو حکمران تھے، انھوں نے نظم و نسق سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اہل علم اور ارباب صلاح و تقویٰ طبقے ملت کی انفرادی و جماعتی زندگی کی علمی اور روحانی و اخلاقی نشو و نما میں لگ گئے۔ دوسرے لفظوں میں جو کام پہلے ایک ہی مرکزی نظام کے تحت ہوتے تھے۔ اب ان کاموں کو دو جماعتیں کرنے لگیں۔ ہمارے نزدیک ارباب حکومت اور اہل علم کی ان دو جماعتوں میں اس زمانے میں تنا بعد نہ تھا جتنا کہ آج تاریخ کو سطحی نظر سے دیکھنے والے بتلاتے ہیں بے شک خلافت راشدہ میں مدینہ مسلمانوں کا سیاسی مرکز بھی تھا اور ان کا علمی مرکز بھی، اور جب بنی امیہ آئے تو سیاسی مرکز دمشق میں منتقل ہو گیا لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ سیاسی اور علمی مرکزوں کی اس جغرافی علیحدگی سے مسلمانوں کے اہل سیاست اور اہل علم میں اتصال اور تعاون بھی ختم ہو گیا، ٹھیک نہیں۔ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ اموی خلفاء تو ایک طرف رہے۔ ان کے بہت بعد عباسیوں کے زمانے تک ہر خلیفہ اپنے پایۂ تخت سے حج کے موقع پر مکہ و مدینہ پہنچتا، اور اسلام کے ان علمی سرچشموں سے متعارف ہونے کی کوشش کرتا بلکہ ان خلفاء میں سے عبدالملک بن مروان ایسے بھی خلفاء گذرے ہیں جنھوں نے مدینہ کے دارالعلم میں تعلیم حاصل کی تھی چنانچہ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اگر وہ خلیفہ نہ ہوتا تو اپنے وقت کا بہت بڑا مجتہد ہوتا اور یہی بات خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اور خلیفہ منصور عباسی کے متعلق بھی کہی گئی ہے، اور ان دونوں کو بھی مدینہ کے ممتاز اہل علم میں سے شمار کیا گیا ہے۔

ہارون اور مامون تک یعنی جب تک اسلامی خلافت پر عربوں کی جمعیت قومی کا تسلط رہا، ہم دیکھتے ہیں کہ حکمرانوں اور علمی طبقوں میں کسی نہ کسی حد تک تعاون پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کی وجہ سے خارجی و باطنی زندگی میں وہ ہم آہنگی جس کے متعلق ہم اوپر کہہ آئے ہیں کہ اسلامی تہذیب کی سب سے بڑی اور نمایاں خصوصیت تھی، مسلمانوں میں کم و بیش قائم رہتی ہے لیکن اس کے بعد ایک اور دور آتا ہے۔ اس دور میں ایک طرف اسلامی سلطنت کی شمالی سرحدوں پر چینیاؤ کے زبردست حملے شروع ہو جاتے ہیں اور دوسری طرف ایرانی اور ترک نیم آزاد حکومتیں بنتے ہیں اور ان کی آپس میں پیہم لڑائیاں ہوتی ہیں۔ اور اس طرح اسلام کے سیاسی نظام کی وحدت پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ سلسلہ یہیں نہیں رکتا، اسی زمانے میں مسلمانوں میں یونانی علوم، ایرانی ادب اور ہندی افکار کی اشاعت ہوتی ہے۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلامی ذہن میں ایک بحرانی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور بظاہر یوں نظر آنے لگتا ہے کہ یہ سیاسی انتشار اور فکری سیلاب اسلامی تہذیب کو خس و خاشاک کی طرح بہائے جائے گا۔ اور پھر مسلمان ابھی ان مصائب سے سنبھلنے نہیں پائے کہ شام و فلسطین اور مصر پر یورپ اپنی پوری جمعیت کے ساتھ صلیبی حملے شروع کر دیتا ہے اور ایک صدی کی مسلسل اور جاں بار کوششوں کے بعد مسلمانوں کو اس مصیبت سے نجات ملی ہی تھی کہ تاتاری وسط ایشیا سے نکلتے ہیں اور اسلامی تہذیب کے مرکزوں کو جلا کر بالکل خاک کر دیتے ہیں۔ (باقی)

ہندوستان کو ایک اتحادی مملکت بناؤ

محکمہ امداد باہمی کے مسٹر ڈی۔ سین نارگی اور مسٹر اے۔ ناگما بھوشنم نے ایک مضمون بعنوان "ہندوستان کو ایک اتحادی مملکت بناؤ" کے دوران میں حسب ذیل بیان کیا ہے۔

اتحاد باہمی تحریک کم تر مزدوری کے مقابل میں مزدوروں کا، نادہندی تقابل کے مقابلہ میں قلیل پیداکنندگان کی، نامناسب قیمتوں کے مقابلہ میں صارفین کا اور سود کی بڑی سخت شرحوں کے مقابلہ میں قرض خواہوں کے حقوق کی حفاظت کرتی ہے۔

اگرچہ کہ اتحاد باہمی عہد قدیم سے موجود ہے لیکن موجودہ تحریک کی صورت گری روچڈیل پیونیرز سے ہوتی ہے جنہوں نے ۱۸۴۴ء میں ایک چھوٹا سا امداد باہمی اسٹور برائے صارفین مشترکہ ملکیت مشترکہ ذمہ داری کے اصول پر قائم کیا تھا۔ وہ ایک رضاکارانہ اور جمہوری جماعت تھی جو سرمایہ پر ایک محدود نافعہ دیتی تھی۔ اس طرح رقم کا زور گھٹتا ہوا تھا۔ خریداری پر نفع قیمت کی برابری کے طریقے اندوزی کا خاتمہ ہو گیا جس کے تحت خدمت کا تصور تھا۔ دوسرے اصول یہ تھے خالص اور بغیر آمیزش اشیاء کی سربراہی، سیاسی اور مذہبی مساوات، نقد کاروبار اور بڑے پیمانہ پر اتحاد باہمی کی تعلیم۔

آج یورپ میں ایسی اتحاد باہمی کل انجمنیں ہیں جن کے کاروبار پیدائش سے موت تک انسان کی تقریباً ہر قسم کی ضروریات پر حاوی ہیں۔ مانچسٹر کی انجمن تقریباً ہر چیز مہیا کرتی ہے اور لندن کی انجمن دنیا کی سب سے بڑی انجمن ہے جس کے شرکاء کی تعداد دس لاکھ ہے۔ انگلستان کے 'متحدین باہمی' (اتحاد باہمی کا کاروبار کرنے والے) دنیا میں سب سے زیادہ پیداکنندگان اور چائے، صابن کے تقسیم کنندگان ہیں اور ان کے کپڑے سینے کی گرنیاں سب سے بڑی ہیں۔ بلب (قمقمے) بنانے والے اتحاد باہمی کارخانہ نے بلب کی شرح میں ۲۰ فی صد اضافہ اور قیمت میں ۳۰ فی صد کمی کرا دی ہے۔ فرانس میں اتحاد باہمی بنک موجود ہیں اور اتحاد باہمی کارخانوں اور گرنیوں میں پیداوارات کی شرح سب سے زیادہ ہے۔ نیز وہاں (۷۰۰) سے زیادہ کارخانے ہیں جہاں انتہائی محنت کے حامل اور نادر ہتیار، اوزار اور ٹیلیفون تیار کئے جاتے ہیں۔ آئیرلینڈ میں ۵۰ فی صد درآمدات، فن لینڈ میں ۳۵ فی صد برآمدات اور ۲۵ فی صد درآمدات اور ڈنمارک میں ۹۰ فی صد دودھ، مسکہ وغیرہ کے کاروبار اتحاد باہمی واسطوں سے ہوتے ہیں۔ روس میں ۱۹۳۰ء کے بعد تمام اتحاد باہمی انجمنیں اسٹیٹ کے ادارے بن گئے جن کی تعداد (۱۰۶۰۰۰) تھی اور جن کے شرکاء تقریباً ڈھائی کروڑ تھے۔ ممالک متحدہ امریکہ میں (۱۳۰۰) اتحاد باہمی مارکٹنگ سوسائٹیاں ہیں۔ میکسیکو میں حکومت نے اراضی کے مفت عطیے سے اس تحریک کو مدد پہنچائی۔ اور زمین زیر کاشت کا ۵۰ فی صد تمام متحدین باہمی کے ہاتھوں میں ہے۔ شکر کے کارخانے حکومت نے خریدے اور متحدین باہمی کے حوالہ کر دئے۔ سوئیڈن کی اتحاد باہمی یونین نے ۱۹۲۲ء میں اتحاد جماعتی تربیت شروع کی جس کے نتیجے (۴۰۰) مراکز قائم ہوئے۔ آج تقریباً (۳۵۰۰۰) مرد و دس سال کی عورتیں زیر تربیت ہیں۔

ہندوستان میں اتحاد باہمی

مرکزی بنک کاری تحقیقاتی کمیٹی (دی سنٹرل بنکنگ انکوائری کمیٹی) نے ہندوستان میں دیہی قرضوں کا اندازہ (۹۰۰) کروڑ تک کیا تھا۔ لہذا ہندوستان میں اتحاد باہمی تحریک کی اولین مقصد قرضہ کی مدافعت اور حالات کو شرکاء کی بہتر کاروبار اور پیدائش کے بہتر طریقوں کے موافق بنانا تھا۔

ہندوستان میں اتحاد باہمی اداروں کی تقسیم دو طرح سے کی جا سکتی ہے۔ ۱۔ قرضہ دینے والی تنظیمات جو مختصر اوسط اور طویل مدت کے لئے قرضہ دیتی ہوں اور ۲۔ قرضہ نہیں دینے والی تنظیمات جن میں صارفین اور پیدائش کنندگان کی انجمنیں (سوسائٹیاں) شامل ہیں۔ مختصر اور اوسط مدت کے لئے قرضہ گاؤں میں دیہی اتحاد باہمی قرضہ سوسائٹی سے یا شہر میں بلدی اتحاد باہمی بنک سے مل سکتا ہے۔ یہ تمام ضلع کے مرکزی بنکوں کے تحت ہوتے ہیں جو صوبائی یا صدر اتحاد باہمی بنکوں سے ملحق ہوتے ہیں جنہیں رقمیں ہندوستان کے ریزرو بنک (محفوظات بنک) سے ملتی ہیں۔ یہ تمام بنک دیہاتیوں کی فوری ضروریات کے لئے قرضہ دیتے ہیں۔ برخلاف اس کے طویل المدت قرضے، اراضیات کو مستقلاً بہتر بنانے مثلاً باؤلیاں کھدوانا یا مویشی کھاد یا زرعی آلات و سامان کی خریدی اور دیہی قرضوں کو یکسر دور کرنے، آراضی کفالتی بنکوں سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ قرضہ دینے والی تنظیمات کی بتدریج ترقی کے ساتھ ساتھ اتحاد باہمی کے اصول دوسری قسم کی معاشی کارکردگی پر منطبق کئے گئے مثلاً پیدائش، تقسیم اور مارکٹنگ (نکاسی)۔ اس طرح صارفین کی اور پیدائش کنندگان کی متعدد انجمنیں (سوسائٹیاں) بنائی گئی ہیں جن سے ہم کو بہت فائدہ پہنچا ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ دیہاتی دیہی علاقہ میں قرضہ دینے والے کے چنگل سے بچ نکلا اور اس موقف میں ہے کہ کفایت شعاری سے اپنی زندگی کی طرح ڈالے شہری علاقوں میں مختلف قسم کی اتحاد باہمی انجمن صارفین کے فائدہ کے لئے نمودار ہو گئی ہیں۔ زمانہ جنگ میں کنٹرول کے طریقہ کی ابتداء اتحاد باہمی مساعی کے لئے ایک مزید محرک بن گئی جس سے چور بازار کم سے کم ہو گیا۔ بمبئی کی بلدی اتحاد باہمی سوسائٹی نے اس خصوص میں نمایاں ترقی حاصل کی ہے جو ہندوستان میں صارفین کے اتحادی انجمنوں میں سب سے پہلی اور سب سے بڑی ہے۔ اتحاد باہمی تھوک فروشی کے اسٹوروں کئی مقامات پر قائم کئے گئے ہیں ان کے علاوہ تعداد بیمائی کی انجمنیں ہیں اور فراہمی امکنہ کی انجمنیں ہیں جن کی بدولت بہت سے بے گھروں کو گھر میسر آئے۔ (فرائش پیدائش) کے ذریعہ اپنے شرکاء کی توفیر آمدنی کی غرض سے بھی اتحاد باہمی صارفین کی انجمنیں بنائی گئی ہیں۔ اتحاد باہمی مارکٹنگ (نکاسی) انجمنوں کی بدولت دیہی پیدائش کنندہ اپنا مال اتحاد باہمی انجمنوں کو فروخت کر کے بہتر قیمت حاصل کرنے کے قابل ہو گیا ہے۔ بڑی اور چھوٹی صنعتوں کے لئے انجمنوں کے علاوہ کاشت نیشکر کے لئے سربراہی دودھ کے لئے زمینات بچانے کے لئے انصرام املاک و مقبوضات کے لئے بھی اتحاد باہمی انجمنیں موجود ہیں۔

حیدرآباد میں اتحاد باہمی

حیدرآباد میں اتحاد باہمی تحریک کی نشوونما بہت سست رہی ہے۔ اور صرف ۱۹۴۲ء سے ہی حقیقی کام شروع کیا گیا ہے۔ اناج بنک جو تقریباً تمام گاؤں میں قائم کئے گئے ہیں (اجناس کا بیوپار کرتے ہیں) جن سے رعایا کو بہت مدد ملتی ہے۔ حیدرآباد اتحاد باہمی تجارتی کارپوریشن (حیدرآباد کوآپریٹیو کمرشل کارپوریشن) جو اگرچہ کے ابتداء میں سرمایہ مشترکہ کی ایک تنظیم تھی لیکن بعد میں اس کو اتحاد باہمی اساس پر ترتیب دیا گیا ہے، حکومت کی غذائی پالیسی کو کامیابی کے ساتھ چلا رہا ہے اور اس کے علاوہ تعلقات کی ڈیولپمنٹ یونین کا صدر صدر اتحاد باہمی ادارے چار ہیں۔ اتحاد باہمی ذو دستین بنک اور بیمہ کمپنی (انشورنس کمپنی) نے نہایت مفید اور حقیقی کام کیا ہے۔ مرکزی تجارتی سوسائٹی ترب کا سابق (سنٹرل ٹریڈنگ سوسائٹی) اگرچہ کہ نو عمر ہے لیکن بے مثل کامیابی حاصل کی ہے۔ حیدرآباد زرعی اتحاد باہمی میدان میں ایک درخشاں راہ ہے اور ہندوستان تمام میں ایسی قسم کا ایک ادارہ ہے جو پیدائش سے لیکر نکاسی تک دہقان کے جملہ حقوق و مفاد کی حفاظت کرتا ہے۔ تمرباتی دیہی تعمیر جدید کے مراکز سنگاریڈی اور شمیر کے مقامات قائم کئے گئے ہیں۔ آخر الذکر مقام پر ایک ڈیری فارم بھی ہے جو جنوب ہند میں سب سے اچھی تنظیم اور سب سے اچھی کارکردگی والا ڈیری فارم ہے۔

پاکستان کی تجارتی پالیسی

"اکانومسٹ" کا تبصرہ

لندن۔ ہفت روزہ "اکانومسٹ" نے پاکستان کی نئی تجارتی پالیسی اور شرح تبادلہ پر ایک مقالہ میں لکھا ہے کہ پاکستانی روپیہ کی قیمت نہ گھٹانے کے فیصلہ سے حکومت پاکستان کو جس چیلنج کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس کے جواب میں تین ہفتہ کی سرگرمیوں کے بعد حکومت پاکستان نے ایک نئی تجارتی پالیسی کا اعلان کیا ہے۔ مسائل اہم ہیں۔ یہ کہنا زیادتی نہیں کہ پائدار بنیادوں پر احتیاط سے قائم کی ہوئی معیشت کو حکومت پاکستان کے فیصلہ سے خطرہ نہیں۔ بلکہ اسٹرلنگ علاقے کے ان ملکوں سے خطرہ ہے جو اپنی کرنسی کی قیمت گھٹا چکے ہیں۔ اگر اس مسئلہ کو دوسرے امور سے الگ تھلگ رہ کر جانچا جاتا تو پاکستانی روپے کی قیمت گھٹانے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ یہ پوچھا جاتا تھا کہ جب نہ صرف اسٹرلنگ علاقے بلکہ امریکہ سے بھی تجارتی توازن پاکستان کے حق میں ہے تو پاکستان ایسا قدم کیوں اٹھائے جس سے درآمد شدہ اشیاء کے اخراجات بڑھیں اور برآمد بڑھنے سے کوئی اچھی صورت بھی پیدا نہ ہو پاکستان کی برآمدی اشیاء کی مانگ میں کوئی کمی نہیں تھی۔ کیونکہ مانگ پہلے ہی زیادہ تھی اور ان کی فروخت میں پاکستان کو کوئی مشکل نہیں تھی۔ اس خیال کے پیش نظر قیمت گھٹانے کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ نرخوں کے جس چڑھاؤ پر حکومت قابو پا چکی ہے۔ وہ پھر پیدا ہو جاتا ہے اور پاکستان کو ایسے وقت پر امریکہ اور قیمت نہ گھٹانے والے دوسرے ممالک سے زیادہ قیمت پر مشینری منگانی پڑتی جب کہ وہ صنعتی ترقی کے وسیع منصوبے کی دہلیز پر کھڑا ہے۔ یہ دلائل کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں۔ اور نظریاتی اعتبار سے کتنے ہی مناسب کیوں نہ ہوں۔ یہ حقیقت پھر بھی باقی رہتی ہے۔ کہ جس ملک کی خوشحالی کا دارومدار زیادہ تر برآمد پر ہو وہ الگ تھلگ رہ کر گزارہ نہیں کرسکتا۔

پٹسن، کپاس، چمڑے، اون اور کھالیں پاکستانی معیشت کی شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے، کیونکہ خارجی زر تبادلہ حاصل کرنے کا یہی سب سے بڑا ذریعہ ہے برآمد کے محاصل حکومت کی آمدنی کا ایک اہم حصہ ہیں اور کروڑوں اشخاص کی آمدنی کا ذریعہ بھی یہی اشیاء ہیں۔ ان اشیاء کا زیادہ تر حصہ ان ملکوں کو جاتا ہے جن کی کرنسی کی قیمت گھٹ چکی ہے سنہ ۱۹۴۸ء تا ۱۹۴۹ء کی سمندری برآمد کا بائیس فیصدی حصہ ہندوستان اور برطانیہ کو بھیجا گیا۔ اور یہی بہترین گاہک ہیں۔ یہ تصویر کا ایک رخ ہے کیونکہ ہندوستان کو بری راستوں سے جو برآمد ہوتی ہے زیادہ تر پٹ سن اس کی مالیت کل سمندری برآمد کے تقریباً برابر ہے۔ اگر پاکستان نرخ گھٹائے بغیر اپنی برآمد جاری رکھ سکے۔ اور یہی سارے مسئلے کا بنیادی نکتہ ہے تو اسے نرخوں کے اتار کا خوف نہیں رہے گا۔ یہ مسئلہ پاکستان کی تاریخ کا نازک ترین مسئلہ ہے جس طریقے سے حکومت اس کا سامنا کر رہی ہے ——

اس سے عام تاجر میں ایسی غیر یقینی سی حالت پیدا ہو گئی ہے۔ کہ وہ اسے پسند کرے۔ یا صورت حالات کے حقائق کو سمجھے بغیر میں بالائی کو ناپسند کرے۔ وزیر تجارت نے جس کانفرنس میں نئی تجارتی پالیسی کا اعلان کیا اس میں پٹ سن برآمد کرنے والے تاجروں کو یہ مشورہ اور درخواست ہے کہ وہ اپنی برآمدی تجارت کو تیز تر اور بہتر بنائیں۔

نئی پالیسی کی کامیابی کا بھی موقعہ موجود ہے۔ کیونکہ بعض عناصر اس کے حق میں جاتے ہیں۔ اور ان میں خصوصیت سے برداشت کرنے کی سکت موجود ہے۔ ڈالری مشکلات کی وجہ سے پاکستانی کپاس اب بھی امریکی کپاس کا مقابلہ کر سکتی ہے اگرچہ ہندوستانی ہچکچاہٹ کی وجہ سے پاکستانی کپاس کا نرخ امریکی کپاس کے نرخوں کے مقابلہ پر سولہ فی صد زیادہ ہے۔ کہ پاکستان اپنی فصل ٹھکانے لگا دے گا۔ اگر حکومت کی برآمدی پالیسی پر ضرورت سے زیادہ احتیاط کا الزام عائد کیا جا سکتا ہے۔ سکے کی قیمت نہ گھٹانے کے حق میں بڑے بڑے نکات میں سے ایک نکتہ یہ بھی تھا کہ پاکستان کو درآمدی اشیاء سستی ملیں گی اور اس طرح اخراجات زندگی کم ہو جائیں گے۔ توقع تھی کہ حکومت بڑی خوشی سے سستی قیمتوں پر درآمد کو آزاد رکھے گی تاکہ عام لوگوں کی حالت اچھی ہو جائے اور ساتھ ہی محاصل سے حکومت کی آمدنی میں اضافہ ہوتا رہے لیکن بڑے بڑے ذخیرے رکھنے والے تاجروں کی تکلیف دور کرنے اور ایک صحت مند تجارتی توازن کو قائم رکھنے کی نیت سے حکومت نے اس کھلے عام لائسنس کو منسوخ کرنے کا فیصلہ کیا۔

شاہ ایران کا دورہ امریکہ

واشنگٹن ۱۵ نومبر۔ شاہ ایران۔ شاہ محمد رضا شاہ پہلوی صدر ٹرومین کی خصوصی دعوت پر کل طہران سے واشنگٹن پہنچ رہے ہیں۔ امریکی اخبارات نے شاہ کے دورہ امریکہ کے خیر مقدم کے سلسلہ میں ان کی بڑی تصاویر کو صفحہ اول پر شائع کیا ہے۔

"واشنگٹن اسٹار" نے اپنی کل کی اشاعت میں لکھا ہے کہ "شاہ ایران کا دورہ امریکہ بڑی اہمیت کا حامل ہے جب کہ امریکہ اپنے احباب کے حلقے کو وسیع کرنے کی مہم میں مصروف ہے۔" اسی اخبار نے بتایا ہے کہ اگرچہ کہ وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو نے مبہم الفاظ میں سہی لیکن اپنے اس نقطہ نظر کو امریکہ میں اپنی تقریروں میں بارہا واضح کر دیا ہے کہ وہ روسی طرز حکومت سے بیزار ہیں۔ اور امریکی جمہوریت کو پسند کرتے ہیں۔ لیکن شاہ ایران سے اس بات کی زیادہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ علی الاعلان اس بات کا اعلان کر دیں گے کہ وہ اور ان کا ملک پوری طرح روسی سامراجیت کے خلاف ہے۔

آگے چل کر "واشنگٹن اسٹار" نے یہ بھی لکھا ہے کہ مشرق وسطیٰ میں طاقت کے توازن کی برقراری کے سلسلہ میں ایران کو ایک اہم عنصر کی حیثیت حاصل ہے جس کو دن بدن روسی جارحانہ کارروائیوں کا خطرہ بڑھتا جا رہا ہے۔

"نیویارک ہیرالڈ ٹریبیون" نے لکھا ہے کہ شاہ ایران کی امریکہ میں غیر ضروری نہیں ہے بلکہ اس کی اہمیت بہت بڑھی ہوئی ہے جس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ شاہ ایران اپنے قیام امریکہ کے دوران میں اپنے ملک کی ضروریات کے سلسلہ میں امریکی افواج کے اعلیٰ کمانڈروں سے بات چیت کریں گے۔

اعلان

نشان (۱۸) — واقع ۱۵ اردی بہشت ۱۳۵۹ف

بسلسلہ اعلان سابقہ دفتر ہذا مورخہ ۲۳ آبان ۱۳۵۸ف ذریعہ ہذا عوام کو مکرر آگاہ کیا جاتا ہے کہ اگر وہ اپنی سکونت مستقل طور پر تبدیل کریں تو ایسی صورت میں ایسی تبدیلی کی اطلاع متعلقہ وارڈز کو دیں۔ جن لوگوں نے اپنے تبدیل شدہ سکونت کی اطلاع متعلقہ وارڈز کو نہیں دی ہے۔ جدید مردم شماری کے تحت ان کے کارڈز منسوخ ہوجائیں گے۔ ایسے کارڈ گیرندگان کو ان کی سہولت کے مدنظر مطلع کیا جاتا ہے کہ متعلقہ وارڈز کو اپنی نئی سکونت سے فوراً مطلع کریں ورنہ اگر ان لوگوں کے راتب کارڈز پر غلہ اجرا نہ ہو تو اس کی کوئی ذمہ داری دفتر راتب بندی پر نہ ہوگی۔ فقط

(نائب ناظم راتب بندی)

اعلان

نشان (۱۹) — واقع ۱۵ اردی بہشت ۱۳۵۹ف

یکم جنوری ۱۹۵۰ء سے نئے کارڈز پر غلہ کی اجرائی عمل میں آئے گی۔ عوام کو جدید کارڈز بہت جلد تقسیم کر دئے جائیں گے۔ جن اشخاص کو ۲۰ ڈسمبر ۱۹۴۹ء تک اپنے کارڈز نہ ملیں۔ انھیں ذریعہ ہذا مطلع کیا جاتا ہے کہ وہ فوراً اپنے متعلقہ وارڈ پر رجوع ہوکر کارڈز حاصل کرلیں۔ فقط

(نائب ناظم راتب بندی)

دی کواپریٹو پریس لمیٹڈ میں چھپ کر دفتر مملکت سانچہ توپ حیدرآباد دکن سے شائع ہوا۔ ۱۳۵۹ف